ممبران اسمبلی کی کارکردگی اور مراعات

پڑھتا جا، شرماتا جا

آج کل پاکستان میں دو اہم ایشوز ہر سطح پر موضوع بحث بنے ہوئے ہیں، ان میں ایک مہنگائی اور بے روزگاری اور دوسرا اسمبلیوں اور ممبران اسمبلی کی کارکردگی۔ ان دونوں معاملات پر عوامی اور اقتصادی حلقوں میں بڑی تشویش اور پریشانی کا اظہار کیا جا رہا ہے کیونکہ پاکستان کی اسمبلیوں میں (خاص کر قومی اسمبلی اور پنجاب اسمبلی) میں ہمارے ممبران اسمبلی جو کچھ کر رہے ہیں، اس حوالے سے ان کی کارکردگی قطعی طور پر عوامی توقعات پر پوری نہیں اترتی۔ جس کی وجہ سے ان پر خرچ ہونے والے سالانہ اربوں روپے کے اخراجات (قومی وسائل) نہ صرف ضائع ہو رہے ہیں بلکہ عوام کا اعتماد اسمبلیوں پر سے اٹھ رہا ہے۔ عوامی اور اقتصادی حلقوں کی رائے میں پچھلے دس گیارہ سال میں اسمبلیوں کے ممبران کی تنخواہوں اور مراعات وغیرہ میں جس طرح خوفناک اضافہ ہوا ہے اس کے مقابلے میں عوام پر کئی گنا ٹیکسوں کا بوجھ پڑا ہے اور اس عرصہ میں افراط زر کی شرح مسلسل سالانہ ۲۰ فیصد سے ۲۵ فیصد تک بڑھی ہے اور روپے کی قیمت میں ۷۰ فیصد سے زائد کمی سے عملاً ۱۴ کروڑ عوام میں سے ۹۵ فیصد سے زائد افراد کی قوت خرید کم ہوئی ہے اور صنعتی ترقی عملاً کم ہونے کی وجہ سے ملک میں بے روزگاری کئی گنا بڑھی ہے۔ اس کے مقابلے میں بنگلہ دیش اور دیگر ممالک میں صنعتی ترقی میں ریکارڈ اضافہ ہوا ہے اور ان کی اقتصادی حالت بہت بہتر ہوئی ہے جبکہ ہمارے ملک کے حالات یکسر مختلف رہے ہیں۔ اس صورت حال میں ہماری اسمبلیوں کو جمہوری استحکام اور عدم استحکام کے حالات کے باوجود جو کارکردگی دکھانی چاہئیے تھی۔ وہ انہوں نے نہیں دکھائی۔ نتیجہ یہ کہ ہماری اسمبلیوں میں جمہوری روایات کی بجائے غیر جمہوری روایات زیادہ سر اٹھانے لگی ہیں، جس سے ان اسمبلیوں کے لئے مختص سالانہ اربوں روپے ضائع ہو رہے ہیں۔ مثال کے طور پر ۱۹۸۵ء سے ۱۹۹۵ء کے عرصہ تک صرف پنجاب اسمبلی کے ممبران کی تنخواہوں میں ۴۸۰ فیصد (۳۰۰۰ روپے سے بڑھ کر ۱۴۵۰۰ روپے ماہوار) اضافہ ہوا ہے جبکہ وزیر اعلیٰ کی تنخواہ ۱۰ ہزار روپے سے بڑھ کر ۳۱ ہزار روپے ماہوار تک (۲۶۴ فیصد) جا پہنچی ہے۔ سپیکر کی تنخواہ ۵ ہزار روپے سے بڑھ کر ۲۶۲۵۰ روپے (۲۸۸ فیصد) اضافہ تک چلی گئی ہے اور ڈپٹی سپیکر کی تنخواہ ۴۲۰۰ روپے سے ۲۴۲۰۰ روپے (۵۰۰ فیصد اضافہ) تک جا پہنچی ہے۔ اس کے مقابلہ میں گریڈ ایک کے ملازم کی تنخواہ جو ۱۹۸۵ء میں ۴۵۰ روپے تک تھی وہ ۱۹۹۵ء تک ۱۲۵۰ روپے (۱۸۵ فیصد) تک بڑھی ہے۔ گریڈ ۱۷ کے ملازم کی تنخواہ ۱۶ سو روپے سے ۳۸۸۰ روپے (۱۴۳ فیصد) تک بڑھی ہے اور گریڈ ۲۲ کے ملازم کی تنخواہ

۴۵۰۰ روپے سے بڑھ کر ۹۰۰۰ اروپے تک بڑھی ہے۔ اس طرح پاکستان کے سیاسی اور انتظامی نظام میں اہم کردار ادا کرنے والے آفیسروں کی تنخواہ میں اوسطاً ۱۴۰ فیصد تک کا اضافہ ہوا ہے۔ اس کے مقابلے میں صرف ایک صوبے کی اسمبلی کے ممبران کی تنخواہ اور مراعات میں اضافہ کا یہ حال ہے تو قومی اسمبلی اور دوسری اسمبلیوں کا کیا حال ہوگا۔ یہاں یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ ہر ایم پی اے کو اس کے علاوہ ہزاروں روپے کے اضافی الاؤنس بھی ملتے ہیں۔ جس میں ۲۵ ہزار روپے کے سالانہ واؤچر (اندرون ملک سفر کے لئے) یا ۲۰ ہزار روپے سالانہ ۱۰ ہزار روپے ماہانہ معمول کے الاؤنس، چار ہزار روپے کے ٹیلی فون کے اخراجات اور دیگر کئی مالی مراعات اس کے علاوہ ہیں۔ ایک رپورٹ کے مطابق مذکورہ عرصہ میں ایک صوبائی وزیر کی تنخواہ میں ۲۷۰ فیصد تک کا اضافہ ہوا ہے۔ اس کے علاوہ وزیر اعلیٰ کو ماہانہ ۳۱ ہزار روپے اور ۱۴۵۰۰ روپے بطور ممبر تنخواہ کے بھی ملتے ہیں۔ وزیر اعلیٰ کو ۱۹۸۵ء میں گھر کی تزئین و آرائش کے لئے ایک لاکھ روپے ملتے تھے جو ۱۹۹۵ء میں ۵ لاکھ روپے تک پہنچ گئے۔ اس کے علاوہ وزیر اعلیٰ اگر بذریعہ سڑک کہیں بھی جاتے ہیں تو انہیں ۳ روپے فی کلومیٹر کے حساب سے الاؤنس ملتا ہے جو کہ وزیروں کو بھی علیحدہ ملتا ہے۔ اس کے علاوہ ہوائی حادثہ میں مرنے کی صورت میں ۱۹۸۵ء تک وزیر اعلیٰ اور وزراء کے پسماندگان کو سوا لاکھ روپے ملتے تھے جو کہ ۱۹۹۵ء میں ۳ لاکھ روپے کی سطح پر پہنچ گئے ہیں۔ ۱۹۸۵ء میں وزیر اعلیٰ کا صوابدیدی فنڈ صرف ایک لاکھ روپے اور وزراء کا فنڈ صرف ۵۰ ہزار روپے ہوتا تھا جبکہ ۱۹۹۵ء میں وزیر اعلیٰ کے صوابدیدی فنڈ کی کوئی حد مقرر نہیں رہی، بلکہ وہ جتنا مرضی خرچ کر سکتا ہے اور وزراء کی حد ۵۰ ہزار روپے سے بڑھا کر ۳ لاکھ روپے کر دی گئی ہے۔ اس کے علاوہ سپیکر اور ڈپٹی سپیکروں کو دی جانے والی مراعات میں ۲۵۰ فیصد سے ۳۰۰ فیصد تک کا اضافہ ہوا ہے۔ اس کے برعکس ضروریات زندگی کی ہر شے کے نرخوں میں تین فیصد سے چار سو فیصد تک اضافہ ہوا ہے جبکہ عوام پر عائد کئے جانے والے ٹیکسوں میں سالانہ ۲۰ ارب روپے سے ۳۰ ارب روپے کا اضافہ ہوا ہے اور صرف پچھلے تین برسوں میں عوام پر ۹۰ ارب سے ۹۵ ارب روپے کے اضافی ٹیکسوں کا بوجھ ڈالا گیا ہے اور اگر اس میں صوبائی ٹیکسوں کو بھی شامل کر لیا جائے تو واضح ہوگا کہ پاکستان کے عوام پر صرف دو تین سالوں میں ایک کھرب روپے سے زائد کے ٹیکسوں کا بوجھ ڈال کر انہیں مزید نئے ٹیکسوں کی ادائیگی کے لئے ذہنی طور پر تیار کیا جا رہا ہے۔ اس سلسلہ میں حکومت اور بالخصوص بیورو کریسی اعداد و شمار کے گورکھ دھندے سے غریب سے غریب تر ہونے والے عوام کو بے وقوف بنا رہی ہے۔

اس وقت قابل ذکر بات یہ ہے کہ ہمارے ممبران اسمبلی کی اکثریت دیہی علاقوں سے تعلق رکھتی ہے جس میں زیادہ تعداد جاگیرداروں کی ہے، اس طبقہ پر عالمی اداروں کے دباؤ کے باوجود عملی طور پر بھاری ٹیکس لگانے سے گریز کیا گیا ہے بلکہ موجودہ بجٹ جی ڈی پی کے ۳۰ فیصد طبقہ (زرعی طبقہ) پر صرف ۵۰ لاکھ روپے کا ٹیکس (پی آئی یو کی شرح ۲۵۰ روپے سے ۴۰۰ روپے کرنے کے بعد) عائد کیا گیا ہے اور جی ڈی پی کے ۷۰ فیصد طبقہ پر صرف رواں مالی سال میں ۴۱ ارب روپے کے اضافی ٹیکسوں کا بوجھ ڈالا گیا ہے جبکہ

۱۹۸۵ء سے لے کر ۹۹ - ۱۹۹۷ء تک مجموعی طور پر عوام پر مختلف ٹیکسوں کی شکل میں تقریباً ۱۹۵۶ ارب روپے کا بوجھ پڑا ہے۔ مثال کے طور پر حکومت کو ٹیکسوں سے آمدنی کا ہدف ۸۸-۱۹۸۷ میں ۱۱۷ ارب روپے، ۸۹-۱۹۸۸ میں ۱۳۹ ارب روپے۔ ۹۰-۱۹۸۹ میں ۱۵۸.۸۰۵ ارب روپے۔ ۹۱-۱۹۹۰ میں ۱۶۳.۸۵۷ ارب روپے۔ ۹۲-۱۹۹۱ میں ۲۱۶ ارب روپے۔ ۹۳-۱۹۹۲ میں ۲۳۸ ارب روپے۔ ۹۴-۱۹۹۳ میں ۲۷۰ ارب روپے۔ ۹۵-۱۹۹۴ میں ۱۳۹ ارب روپے۔ ۹۶-۱۹۹۵ میں ۳۷۴ ارب روپے رہا۔ جبکہ رواں مالی سال کے لئے محاصل سے آمدنی کا ہدف ۳۳۵ ارب روپے ہے جس میں ۲۸۰ ارب روپے ٹیکسوں اور باقی وسائل نان ٹیکس ریونیو سے حاصل ہوں گے۔ اس طرح پچھلے دس سالوں میں ہمارے ملک میں انسان کی اوسط عمر اور روپے کی قیمت مسلسل کم ہو رہی ہے اور اس کے مقابلے میں مہنگائی، ٹیکسوں کے بوجھ ممبران اسمبلی کی تنخواہوں، مراعات، کرپشن، غربت اور بے روزگاری میں ریکارڈ اضافہ ہوا ہے۔

(بشکریہ "نوائے وقت" ملتان، ۲۰ جولائی ۹۶ء)

ابن امیر شریعت سید عطاء المحسن بخاری مدظلہ

کے تین اہم خطبات

دین میں صحابہ کا مقام اور حیثیت — قیمت =/10

اسلام اور جمہوریت — قیمت =/10

جمہوریت ایک مشرکانہ نظام — قیمت =/10

بخاری اکیڈمی

دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان (فون: 511961)